ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 473

Program:

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

ISLAMABAD ,ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

Associate Degree / .A.B :leveL • (473)Hadith -Al :Course

2026Autumn :Semester

1 .Assignment No

50Associate Degree ,40 .A.B :skraM g .issaP 100 :Total Marks

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

(Reference & For Study)

understand ,Students are advised to read the relevant course book .This guide is prepared for study and reference purposes :Note t allowed Copying this guide word for word is not .and write the assignment in their own words ,the ahadith and their meanings .and will not help in the examination

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعے اور حوالے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب اور احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے الفاظ میں تحریر کریں، کیونکہ ہو بہو نقل کرنا ممنوع ہے اور امتحان میں بھی کارآمد نہیں ہوتا۔

سوال نمبر 1: احادیث کی روشنی میں درج ذیل کی وضاحت کیجیے: (1) اسلام کی بنیاد (2) ایمان کی اہمیت (3) انسان کی نجات کے لیے ضروری اعمال (20 نمبر)

سوال: احادیث کی روشنی میں اسلام کی بنیاد، ایمان کی اہمیت اور انسان کی نجات کے لیے ضروری اعمال کی وضاحت کیجیے۔

تعارف

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کی عمارت چند بنیادی اصولوں پر قائم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ میں اسلام کی بنیاد، ایمان کی حقیقت و اہمیت اور نجات کے لیے ضروری اعمال کو اس قدر واضح اور جامع انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ایک عام مسلمان بھی اپنے دین کی اصل روح کو سمجھ سکتا ہے۔ اس سوال میں تین باہم مربوط موضوعات زیر بحث ہیں: پہلا یہ کہ اسلام کی بنیاد کن چیزوں پر ہے، دوسرا یہ کہ ایمان کو دینی زندگی میں کیا مقام حاصل ہے، اور تیسرا یہ کہ وہ کون سے اعمال ہیں جن پر انسان کی دنیا و آخرت کی نجات کا دارومدار ہے۔

احادیث نبویہ اس باب میں ہماری سب سے مستند راہنمائی کرتی ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ہر ارشاد وحی کی روشنی میں ہوتا تھا۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں یہ تینوں موضوعات بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ ذیل میں ہر موضوع کو الگ الگ عنوان کے تحت احادیث کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے تاکہ ان کی باہمی ترتیب اور تعلق بھی واضح ہو جائے، کیونکہ بنیاد کے بغیر عمارت نہیں بنتی، ایمان کے بغیر عمل قبول نہیں ہوتا، اور عمل کے بغیر ایمان کا ثمرہ حاصل نہیں ہوتا۔

اسلام کی بنیاد: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما

اسلام کی بنیاد کے بارے میں سب سے مشہور اور اہم حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ" یعنی اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ اس حدیث نے اسلام کے پورے نظام کو ایک عمارت سے تشبیہ دے کر سمجھا دیا ہے کہ جس طرح عمارت اپنی بنیاد کے ستونوں پر کھڑی ہوتی ہے، اسی طرح دینی زندگی ان پانچ ارکان پر قائم ہے۔

ان پانچ ارکان میں پہلا رکن شہادت ہے جو دراصل ایمان کا زبانی اقرار اور دین میں داخلے کا دروازہ ہے۔ دوسرا رکن نماز ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان روزانہ کا براہ راست رابطہ ہے اور دین کا ستون قرار دی گئی ہے۔ تیسرا رکن زکاۃ ہے جو مالی عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے کمزور طبقات کی کفالت کا ذریعہ بھی ہے۔ چوتھا رکن حج ہے جو

زندگی میں ایک مرتبہ صاحب استطاعت پر فرض ہے اور امت کے عالمی اجتماع کی عظیم مثال ہے۔ پانچواں رکن رمضان کے روزے ہیں جو تقویٰ، صبر اور ضبط نفس کی تربیت دیتے ہیں۔ ان ارکان کی ترتیب بھی حکمت سے خالی نہیں: پہلے عقیدہ و اقرار، پھر بدنی عبادت، پھر مالی عبادت، پھر بدنی و مالی مجموعی عبادت اور روحانی تربیت کا نظام۔

واضح رہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ باقی احکام کی کوئی اہمیت نہیں۔ علماء نے وضاحت کی ہے کہ یہ پانچ چیزیں اسلام کے ارکان اور علامتی ستون ہیں، جب کہ دین کے باقی تمام احکام، اخلاقیات اور معاملات اسی عمارت کی تکمیل ہیں۔ جو شخص ان بنیادوں کو مضبوط کر لیتا ہے اس کے لیے دین کے باقی احکام پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، اور جو ان میں کوتاہی کرتا ہے اس کی دینی عمارت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ایک اور موقع پر نماز کو دین کا ستون قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ جس نے نماز قائم کی اس نے دین قائم کیا اور جس نے اسے ترک کیا اس نے دین کو گرا دیا۔

جدول: اسلام کے پانچ ارکان اور ان کی نوعیت

رکن	عبادت کی نوعیت	اہم مقصد
شہادتین (توحید و رسالت کی گواہی)	عقیدہ و زبانی اقرار	دین میں داخلہ اور ایمان کا اعلان
نماز	بدنی عبادت	اللہ سے روزانہ رابطہ اور دین کا ستون
زکاۃ	مالی عبادت	مال کی پاکیزگی اور معاشرتی کفالت
حج	بدنی و مالی عبادت	اطاعت کا عالمی مظاہرہ اور امت کا اجتماع
رمضان کے روزے	بدنی و روحانی عبادت	تقویٰ، صبر اور ضبط نفس کی تربیت

ایمان کی اہمیت: احادیث کی روشنی میں

ایمان اسلام کی بنیاد سے بھی پہلا اور سب سے اہم درجہ رکھتا ہے، کیونکہ اعمال کی قبولیت کا دار و مدار ایمان ہی پر ہے۔ مشہور حدیث جبریل، جو صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، میں ایمان کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یوم آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان

لاؤ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان محض زبانی دعویٰ نہیں بلکہ چھ بنیادی عقائد پر دل کی سچی تصدیق کا نام ہے۔ یہی تصدیق انسان کے تمام اعمال کو سمت اور مقصد عطا کرتی ہے۔

ایمان کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے ہیں، جن میں سب سے افضل "لا الہ الا اللہ" کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے، اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہے اور بتاتی ہے کہ ایمان صرف دل کی کیفیت نہیں بلکہ عقیدے سے لے کر روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے اخلاقی اعمال تک پھیلا ہوا ایک وسیع نظام ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچا ایمان انسان کو خود غرضی سے نکال کر دوسروں کی خیر خواہی پر آمادہ کرتا ہے۔

ایمان کی ایک بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہی آخرت کی نجات کی اصل بنیاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سچے دل سے "لا الہ الا اللہ" کہا وہ جنت میں داخل ہو گا، اور ایک اور حدیث میں فرمایا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا وہ بالآخر جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ تاہم علماء نے اس کے ساتھ یہ بھی واضح کیا ہے کہ محض زبانی ایمان کافی نہیں؛ ایمان کی حقیقی علامت عمل ہے۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں ایمان کے ساتھ تقریباً ہمیشہ عمل صالح کا ذکر ملتا ہے، کیونکہ ایمان درخت کی جڑ ہے اور اعمال اس کے پھل ہیں؛ جڑ کے بغیر پھل ممکن نہیں اور پھل کے بغیر جڑ کی زندگی مشکوک ہو جاتی ہے۔

انسان کی نجات کے لیے ضروری اعمال

نجات کا مفہوم یہ ہے کہ انسان دنیا میں اللہ کی رضا حاصل کرے اور آخرت میں جہنم سے بچ کر جنت کا مستحق بنے۔ احادیث کی روشنی میں نجات کے لیے سب سے پہلا اور ضروری عمل توحید کا خالص اقرار اور شرک سے اجتناب ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شرک نہ کرے اللہ اسے عذاب نہ دے۔ اسی طرح حضرت عبادہ بن

صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو شخص گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، تو اللہ اسے جہنم پر حرام کر دیتا ہے۔

توحید کے بعد نجات کے ضروری اعمال میں نماز کی پابندی سب سے نمایاں ہے، کیونکہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہو گا؛ اگر وہ درست نکلی تو بندہ کامیاب و کامران ہو گا۔ اس کے بعد والدین کی خدمت و اطاعت، سچائی، امانت داری، حلال روزی اور حقوق العباد کی ادائیگی نجات کے اہم ذرائع ہیں۔ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل جنت میں لے جانے والا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا خوف اور حسن اخلاق، اور فرمایا کہ لوگوں کو جنت میں سب سے زیادہ لے جانے والی چیزیں یہی دو ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نجات صرف عبادات سے نہیں بلکہ اخلاق اور کردار کی درستی سے بھی وابستہ ہے۔

مزید برآں احادیث میں نجات کے بہت سے آسان اور مؤثر اعمال بھی بیان ہوئے ہیں، مثلاً مخلوق پر رحم کرنا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم فرماتا ہے، زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ اسی طرح ذکر الٰہی، استغفار، درود شریف، صدقہ و خیرات، بھوکے کو کھانا کھلانا، سلام کو رائج کرنا اور لوگوں کو تکلیف سے بچانا بھی نجات کا ذریعہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نجات کا راستہ تین ستونوں پر کھڑا ہے: صحیح ایمان، پابندی کے ساتھ عبادات اور اعلیٰ اخلاق و حقوق العباد کی ادائیگی۔ جو شخص یہ تینوں جمع کر لے وہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

نتیجتاً کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر قائم ہے جن کی تفصیل حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں موجود ہے؛ ایمان اس ساری عمارت کی روح اور اعمال کی قبولیت کی شرط ہے جس کے ستر سے زائد شعبے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہیں؛ اور نجات کے لیے توحید خالص، نماز و دیگر عبادات کی پابندی، تقویٰ اور حسن اخلاق ناگزیر اعمال ہیں۔ ایک مسلمان کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ ان تینوں پہلوؤں کو بیک وقت مضبوط کرے: بنیاد بھی درست رکھے، ایمان بھی پختہ رکھے اور اعمال بھی نیک اپنائے۔

سوال نمبر2: کبیرہ گناہ اور منافق کی علامات حدیث کی روشنی میں تحریر کریں(20نمبر)

سوال: کبیرہ گناہ اور منافق کی علامات حدیث کی روشنی میں تحریر کریں۔

تعارف

اسلامی تعلیمات میں نیکی اور بدی، حلال و حرام اور چھوٹے بڑے گناہوں کی واضح تقسیم موجود ہے۔ گناہوں کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے: گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ۔ کبیرہ گناہ وہ بڑے گناہ ہیں جن پر قرآن و حدیث میں سخت وعید، لعنت یا شرعی سزا مقرر کی گئی ہے۔ ان سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے، کیونکہ یہ گناہ انسان کے ایمان کو کمزور، دل کو سیاہ اور آخرت کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ اسی طرح نفاق اسلامی معاشرے کی سب سے خطرناک باطنی بیماری ہے جس کی علامات نبی کریم ﷺ نے کھول کر بیان فرمادی ہیں تاکہ ہر شخص اپنا محاسبہ کر سکے۔

اس سوال کے دو حصے ہیں: پہلے حصے میں کبیرہ گناہوں کا مفہوم اور احادیث میں ان کی تفصیل بیان کی جائے گی، اور دوسرے حصے میں منافق کی وہ علامات بیان ہوں گی جو صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی یہ تعلیمات دراصل امت کے لیے اصلاح کا مکمل منصوبہ ہیں: ایک طرف بڑے گناہوں سے خبردار کیا گیا ہے اور دوسری طرف اس دوغلے کردار سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے جو بظاہر مسلمان مگر بباطن دین سے دور ہوتا ہے۔

کبیرہ گناہ کا مفہوم اور سات مہلک گناہ

کبیرہ گناہ کی اصطلاحی تعریف علماء نے یہ کی ہے کہ ہر وہ گناہ جس پر شریعت میں حد مقرر ہو، یا جس کے مرتکب پر لعنت یا جہنم کی وعید آئی ہو، یا جسے حدیث میں صراحتاً کبیرہ قرار دیا گیا ہو، وہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس کے مقابلے میں صغیرہ گناہ وہ چھوٹی لغزشیں ہیں جو نیک اعمال، وضو، نمازوں اور رمضان کی برکت سے معاف ہوتی رہتی ہیں، بشرطیکہ کبیرہ

گناہوں سے اجتناب کیا جائے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اسی اصول کی طرف اشارہ موجود ہے۔ کبیرہ گناہوں کی تعداد میں علماء کے ہاں تفصیل ملتی ہے؛ بعض نے سات، بعض نے ستر کے قریب اور بعض نے اس سے بھی زیادہ گناہوں کو کبیرہ شمار کیا ہے۔

کبیرہ گناہوں کے بارے میں سب سے جامع حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سات مہلک گناہوں سے بچو۔" صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہو اسے ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا، اور پاک دامن مومنہ عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔ یہ سات گناہ "موبقات" یعنی ہلاک کرنے والے کہلائے ہیں، کیونکہ یہ فرد اور معاشرہ دونوں کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔

ان سات کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی کئی کبیرہ گناہ گنوائے گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو اس کا شریک ٹھہراؤ حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا؛ پھر یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی؛ پھر یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ اسی طرح والدین کی نافرمانی، جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم کو بھی احادیث میں اکبر الکبائر یعنی بڑے بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "کیا میں تمہیں سب سے بڑے کبیرہ گناہ نہ بتاؤں؟" وہ ہیں: اللہ کے ساتھ شرک، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی گواہی دینا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی پامالی بھی کبیرہ درجہ رکھتی ہے۔

دیگر بڑے گناہ اور ان کا اجتماعی نقصان

احادیث میں نماز ترک کرنا، زکاۃ نہ دینا، رمضان کے روزے بلا عذر چھوڑنا، شراب پینا، چوری، ڈاکا، رشوت، قطع رحمی، غیبت و چغل خوری، تکبر، حسد اور مسلمان کو تکلیف پہنچانا بھی بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قطع رحمی کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں داخل نہ ہو گا، اور ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ مسلمان

وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یہ احادیث بتاتی ہیں کہ کبیرہ گناہ صرف عبادات کی کوتاہی تک محدود نہیں بلکہ سماجی و اخلاقی جرائم بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

کبیرہ گناہ کی خطرناکی کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہ انسان کے دل پر سیاہ نقطہ لگا دیتا ہے، اور اگر توبہ نہ کی جائے تو یہ نقطے بڑھتے بڑھتے پورے دل کو گھیر لیتے ہیں جسے قرآن نے زنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے سچی توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ البتہ توبہ کی شرائط ہیں: گناہ فوراً چھوڑ دینا، گزشتہ پر نادم ہونا، آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا، اور اگر کسی بندے کا حق ضائع ہوا ہو تو اسے ادا کرنا یا معاف کرانا۔

منافق کی علامات: احادیث کی روشنی میں

نفاق کا مطلب ہے ظاہر و باطن میں تضاد: منہ سے ایمان کا دعویٰ اور دل میں کفر یا بدنیتی۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں: اعتقادی نفاق جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج اور جہنم کے سب سے نچلے درجے کا مستحق ہے؛ اور عملی نفاق، یعنی منافقوں والی خصلتیں اپنا لینا، جو سخت گناہ ہے اور ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔ منافق کی علامات کے بارے میں سب سے مشہور حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”منافق کی تین علامات ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔“

دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ چاروں موجود ہوں وہ خالص منافق ہے، اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے: جب امانت دی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو بے وفائی کرے، اور جب لڑے جھگڑے تو بدزبانی و گالی گلوچ پر اتر آئے۔“ اس حدیث نے عملی نفاق کی جامع تصویر کھینچ دی ہے؛ یہ چاروں خصلتیں دراصل سچائی، امانت، وفاداری اور اخلاقی شرافت کی ضد ہیں۔

ان علامات کے بیان کا مقصد دوسروں پر منافق کا فتویٰ لگانا نہیں بلکہ اپنا محاسبہ کرنا ہے۔ سلف صالحین کا حال یہ تھا کہ وہ ان احادیث کو پڑھ کر اپنے بارے میں خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس صحابہ کو پایا، ہر ایک اپنے نفس کے نفاق سے ڈرتا تھا۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ مومن کو چاہیے کہ وہ جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت اور بدزبانی سے مکمل پرہیز کرے، کیونکہ یہ خصلتیں اگر مستقل عادت بن جائیں تو ایمان کو کھوکھلا کر دیتی ہیں اور انسان کو رفتہ رفتہ اعتقادی نفاق کی طرف لے جا سکتی ہیں۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث نے کبیرہ گناہوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے جن میں شرک، قتل ناحق، سود، جادو، یتیم کا مال، جھوٹی گواہی اور والدین کی نافرمانی سرفہرست ہیں، اور ان سے بچنے ہی میں انسان کی نجات ہے۔ اسی طرح منافق کی علامات یعنی جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا اور نزاع میں بدزبانی کرنا عملی نفاق کی پہچان ہیں۔ ایک سچے مسلمان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے دور رہے، صغیرہ گناہوں پر بھی استغفار کرتا رہے، اور اپنی زندگی کو سچائی، امانت اور وفاداری سے مزین کر کے نفاق کی ہر خصلت سے خود کو پاک رکھے۔

سوال نمبر 3: کتاب و سنت سے راہنمائی کی ضرورت و اہمیت پر حدیث کی روشنی میں مفصل نوٹ لکھیں (20 نمبر)

سوال: کتاب و سنت سے راہنمائی کی ضرورت و اہمیت پر حدیث کی روشنی میں مفصل نوٹ لکھیں۔

تعارف

اسلام میں راہنمائی کے دو ہی بنیادی سرچشمے ہیں: اللہ کی کتاب قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث۔ قرآن مجید اصول و کلیات بیان کرتا ہے جب کہ سنت ان اصولوں کی عملی تفسیر، تفصیل اور نمونہ پیش کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں اور خاص طور پر آخری ایام میں امت کو بار بار اسی بات کی وصیت فرمائی کہ

جب تک وہ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامے رہے گی گمراہ نہیں ہو گی۔ یہی موضوع اس سوال کا محور ہے کہ کتاب و سنت سے راہنمائی حاصل کرنا کیوں ضروری ہے اور احادیث کی روشنی میں اس کی اہمیت کیا ہے۔

آج کے دور میں جب ہر طرف نئے نظریات، خود ساختہ تعبیرات اور گمراہ کن افکار کا سیلاب ہے، کتاب و سنت کی طرف رجوع کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے چودہ سو سال پہلے اس صورت حال کی پیش گوئی فرماتے ہوئے اس کا علاج بھی بتا دیا تھا کہ اختلاف و انتشار کے زمانے میں میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لینا۔ ذیل میں اس موضوع کو مستند احادیث کی روشنی میں مفصل بیان کیا جاتا ہے۔

حدیث ثقلین اور دو امانتیں

کتاب و سنت کی اہمیت پر سب سے واضح دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔" یہ روایت موطا امام مالک اور دیگر کتب میں موجود ہے اور حجۃ الوداع کے موقع سے منسوب ہے۔ اس حدیث کو عموماً حدیث ثقلین یا "ترکت فیکم امرین" کی حدیث کہا جاتا ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ نے گمراہی سے مکمل حفاظت کی ضمانت کتاب و سنت کے التزام کے ساتھ مشروط فرمائی، جس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کا واحد محفوظ راستہ یہی دو سرچشمے ہیں۔

اسی مفہوم کی دوسری روایت حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں: پہلی اللہ کی کتاب، جس میں ہدایت و نور ہے، پس اللہ کی کتاب کو تھامو اور اس سے وابستہ رہو، اور دوسری میرے اہل بیت۔ اس حدیث میں بھی اصل تاکید قرآن کی پیروی پر ہے اور اس کے ساتھ نبی ﷺ کے گھرانے کی محبت و احترام کو جوڑا گیا ہے۔ دونوں روایتوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ قرآن بنیادی ہدایت ہے اور سنت اسی ہدایت کی شارح و مفسر۔

حدیث عرباض بن ساریہ: اختلاف کے دور کا نسخہ

سنت کی پیروی کی ضرورت کے بارے میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسا پر اثر وعظ فرمایا جس سے دل لرز گئے اور آنکھیں بہنے لگیں۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو رخصت کرنے والے کا سا وعظ لگتا ہے، ہمیں کچھ وصیت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، اور امیر کی بات سننے اور ماننے کی، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا، پس تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، اسے مضبوطی سے پکڑو اور دانتوں سے تھامے رکھو، اور دین میں نئی ایجاد کردہ باتوں سے بچو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔“

یہ حدیث کتاب و سنت سے راہنمائی کی اہمیت کو کئی پہلوؤں سے روشن کرتی ہے۔ اولاً اس میں مستقبل کے اختلافات کی خبر دے کر امت کو پہلے سے تیار کیا گیا۔ ثانیاً اختلاف کا حل کسی شخصیت، رسم یا علاقائی عادت میں نہیں بلکہ سنت نبوی اور سنت خلفائے راشدین میں بتایا گیا۔ ثالثاً ”دانتوں سے پکڑنے“ کی تعبیر اس بات کی علامت ہے کہ سنت پر عمل ماحول کی مخالفت اور خواہش نفس کی قربانی مانگتا ہے، محض آسانی کے ساتھ ممکن نہیں۔ رابعاً بدعت سے بچنے کی تنبیہ اس لیے کی گئی کہ جب لوگ سنت کو چھوڑتے ہیں تو خلا خود ساختہ طریقوں سے پُر ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ اصل دین کی جگہ لے لیتا ہے۔

سنت قرآن کی عملی تفسیر ہے

راہنمائی کے لیے صرف کتاب کیوں کافی نہیں اور سنت کیوں ناگزیر ہے، اس کا جواب عملی زندگی سے ملتا ہے۔ قرآن مجید نے نماز قائم کرنے کا حکم دیا مگر نماز کی رکعات، اوقات کی تفصیل، اذان، جماعت اور طریقہ ادائیگی سنت ہی سے معلوم ہوا؛ قرآن نے زکاۃ کا حکم دیا مگر نصاب، شرح اور مستحقین کی عملی تفصیلات حدیث سے ملیں؛ قرآن نے حج کا حکم دیا مگر مناسک کی ترتیب و کیفیت نبی کریم ﷺ نے ”مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو“ فرما کر سکھائی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔“ یہ واضح اعلان ہے کہ عبادات کی عملی صورت سنت ہی معین کرتی ہے۔

مزید برآں سنت قرآن کے مجمل احکام کی تفصیل، عام احکام کی تخصیص اور مشکل مقامات کی تشریح بھی کرتی ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا کہ ہمیں صرف قرآن سے بتاؤ تو انہوں نے فرمایا کہ قرآن میں نماز، زکاۃ وغیرہ کے احکام تو ہیں مگر ان کی تفصیل کہاں ہے؟ یہ اسی صورت ممکن ہے جب سنت کو بھی حجت مانا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے خود اس خطرے سے پہلے ہی خبردار فرمادیا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا جب پیٹ بھرے شخص تکیے پر بیٹھ کر کہے گا کہ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کافی ہے، اس میں جو حلال پاؤ حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ حرام سمجھو؛ آپ ﷺ نے فرمایا خبردار! جو رسول اللہ ﷺ حرام قرار دے وہ بھی اللہ کے حرام کیے ہوئے کی مانند ہے۔ یہ حدیث سنن ابی داؤد و ترمذی میں ہے اور منکرین سنت کے فتنے کی واضح پیش گوئی اور تردید ہے۔

کتاب و سنت سے راہنمائی نہ لینے کے نقصانات

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی کسی گروہ نے کتاب و سنت کے براہ راست التزام سے پہلو تہی کی تو وہ فرقہ واریت، انتہا پسندی یا دین سے دوری کا شکار ہوا۔ سنت کو چھوڑنے کا پہلا نقصان عبادات میں انتشار ہے، کیونکہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرنے لگتا ہے۔ دوسرا نقصان بدعات کا پھیلاؤ ہے جنہیں نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ تیسرا نقصان امت کے اتحاد کا خاتمہ ہے، کیونکہ کتاب و سنت ہی وہ واحد مشترکہ مرجع ہے جس پر پوری امت متفق ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس جہاں کتاب و سنت کو فیصلہ کن تسلیم کیا جاتا ہے وہاں اختلاف بھی حدود کے اندر رہتا ہے اور معاشرے میں دینی توازن قائم رہتا ہے۔

البتہ کتاب و سنت سے راہنمائی لینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انہیں سلف صالحین یعنی صحابہ، تابعین اور ائمہ دین کی فہم کی روشنی میں سمجھا جائے، ذاتی خواہشات کی بنیاد پر نئی تعبیرات نہ گھڑی جائیں، اور مسائل میں اہل علم سے رجوع کیا جائے۔ خود نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت یہی ترتیب سکھائی کہ فیصلہ پہلے اللہ کی کتاب سے، پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت سے، اور اس کے بعد اجتہاد سے کیا جائے اور اس ترتیب پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ یہ ترتیب آج بھی ہر طالب علم اور محقق کے لیے روشن اصول ہے۔

نتیجہ وخلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب و سنت اسلامی راہنمائی کے دو ناگزیر اور ایک دوسرے سے ناقابل جدا سرچشمے ہیں۔ حدیث "ترکت فیکم امرین" نے گمراہی سے نجات کی ضمانت اسی التزام سے مشروط کی، حدیث عرباض بن ساریہ نے اختلاف کے زمانے میں سنت کو دانتوں سے تھامنے کی وصیت کی، اور عملی زندگی ثابت کرتی ہے کہ سنت کے بغیر قرآن کے احکام کی صورت ہی متعین نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق میں کتاب و سنت ہی کو آخری فیصلہ کن تسلیم کرے، یہی نجات، اتحاد اور کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

سوال نمبر 4: علم کی اہمیت نیز حصول علم کے مقاصد حدیث کی روشنی میں واضح کریں (20 نمبر)

سوال: علم کی اہمیت نیز حصول علم کے مقاصد حدیث کی روشنی میں واضح کریں۔

تعارف

اسلام کی پہلی وحی کا آغاز ہی لفظ "اقرأ" یعنی "پڑھ" سے ہوا، جس سے دین اسلام کا علم کے ساتھ گہرا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حصول علم کو ہر مسلمان کی ذمہ داری قرار دیا، علماء کو انبیاء کے وارث بتایا اور طالب علم کے لیے فرشتوں کے پر بچھانے تک کی بشارتیں سنائیں۔ اسلامی تاریخ کا سنہری باب اسی علم دوستی کا نتیجہ ہے کہ چند صدیوں میں مسلمانوں نے فقہ، حدیث، طب، فلکیات، ریاضی اور کیمیا سمیت تقریباً ہر فن میں دنیا کی قیادت کی۔ چنانچہ علم کی اہمیت اور اس کے مقاصد کو احادیث کی روشنی میں سمجھنا ہر طالب علم کے لیے بنیادی ضرورت ہے۔

اس سوال کے دو حصے ہیں: پہلا حصہ علم کی اہمیت و فضیلت سے متعلق ہے اور دوسرا حصہ اس سوال کا جواب ہے کہ علم حاصل کیوں کیا جائے، یعنی اس کے حقیقی مقاصد کیا ہیں۔ یہ دوسرا حصہ پہلے سے بھی زیادہ اہم ہے، کیونکہ مقصد کے بغیر حاصل کیا گیا علم بسا اوقات فائدے کے بجائے نقصان کا سبب بن جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے علم نافع کی دعا سکھائی اور اس علم سے پناہ مانگی جو نفع نہ دے، اسی سے علم کے مقصد کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

علم کی اہمیت اور فضیلت احادیث میں

علم کی فرضیت کے بارے میں مشہور حدیث سنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔" اس سے مراد سب سے پہلے وہ دینی علم ہے جس کے بغیر ایمان، عبادات اور حلال و حرام کی پہچان ممکن نہیں۔ اسی طرح صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ اس کے بدلے اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات عالم کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہیں، یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بھی، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر، اور بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں؛ انبیاء نے درہم و دینار کا ورثہ نہیں چھوڑا، بلکہ انہوں نے علم کا ورثہ چھوڑا ہے، پس جس نے اسے حاصل کیا اس نے بڑا حصہ پا لیا۔"

ایک اور مشہور حدیث میں جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔" اس حدیث نے دین کی فہم و بصیرت کو اللہ کی خاص نعمت اور بھلائی کی علامت قرار دیا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو قابل رشک بتایا جسے اللہ نے مال دیا اور وہ اسے حق میں خرچ کرتا ہے، اور جسے اللہ نے علم و حکمت دی اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علم دنیا و آخرت دونوں کی سعادت کا دروازہ ہے۔

علم کی اہمیت کا ایک عملی پہلو یہ بھی ہے کہ علم کے بغیر عبادت بھی درست صورت میں ادا نہیں ہو سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے مسیء الصلاۃ یعنی نماز خراب کرنے والے شخص کو تین مرتبہ واپس کر کے نماز کا صحیح طریقہ سکھایا اور فرمایا کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس طرح پڑھو۔ اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبادت کی قبولیت کے لیے اس کا علم و طریقہ سیکھنا ضروری ہے۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ علم عمل سے پہلے آتا ہے، کیونکہ جہالت میں کیا گیا عمل بسا اوقات ثواب کے بجائے گناہ کا باعث بن جاتا ہے۔

حصول علم کے مقاصد

احادیث کی روشنی میں حصول علم کا سب سے پہلا اور بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی رضا حاصل کرنا ہے۔ علم اس لیے حاصل کیا جائے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے، اس کے احکام جانے اور اس کی بندگی درست طریقے سے کر سکے۔ نبی کریم ﷺ کی دعاؤں میں یہ الفاظ شامل تھے کہ اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم، پاکیزہ رزق اور قبول ہونے والے عمل کا سوال کرتا ہوں۔ اس دعا نے علم کے مقصد کی سمت متعین کر دی کہ وہی علم مطلوب ہے جو نفع دے اور عمل پر آمادہ کرے۔ اسی لیے آپ ﷺ اس علم سے پناہ بھی مانگتے تھے جو نفع نہ دے، اس دل سے جو خشوع نہ رکھے اور اس دعا سے جو سنی نہ جائے۔

حصول علم کا دوسرا مقصد اپنے عمل کی اصلاح اور کردار کی تعمیر ہے۔ عالم کی اصل پہچان یہ نہیں کہ وہ کتنا جانتا ہے بلکہ یہ کہ اس کے علم نے اس کی زندگی کو کتنا بدلا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ابن آدم کے قدم اس وقت تک نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے اس کے علم کے بارے میں نہ پوچھ لیا جائے کہ اس نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔ یہ حدیث علم کو محض ذہنی سرمایہ نہیں بلکہ ایک بھاری امانت اور ذمہ داری قرار دیتی ہے۔ اسی طرح یہ وعید بھی آئی ہے کہ جو شخص وہ علم سیکھے جس سے اللہ کی رضا چاہی جاتی ہے، مگر اسے دنیا کمانے کے لیے سیکھے، وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔

تیسرا مقصد دوسروں کی راہنمائی اور معاشرے کی اصلاح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ، اس کے فرشتے اور آسمانوں و زمین کی مخلوقات اس شخص پر رحمت بھیجتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے۔ نیکی کی طرف راہنمائی کرنے والے کو کرنے والے کے برابر اجر ملتا ہے، اور جو علم انسان اپنے پیچھے چھوڑ جائے وہ اس کے لیے صدقہ جاریہ بن جاتا

ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں سوائے تین کے: صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے، اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ گویا علم کی اشاعت انسان کی موت کے بعد بھی اس کے اجر کو جاری رکھتی ہے۔

چوتھا مقصد دنیاوی زندگی کی بہتری اور امت کی سربلندی ہے۔ اسلام نے صرف دینی علم ہی کی نہیں بلکہ ہر نفع بخش علم کی حوصلہ افزائی کی ہے، کیونکہ ڈاکٹر، انجینئر، کسان اور تاجر سب اپنے اپنے علم سے خلق خدا کی خدمت کرتے ہیں۔ تاہم دنیاوی علم میں بھی نیت کا صحیح ہونا شرط ہے؛ اگر مقصد صرف شہرت، مقابلہ بازی اور مال سمیٹنا ہو تو علم حجاب بن جاتا ہے، اور اگر مقصد خدمت خلق اور رضائے الٰہی ہو تو یہی دنیاوی مہارت بھی عبادت بن جاتی ہے۔ اسی توازن کا نام اسلامی تصور علم ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث نے علم کو فرض، عبادت اور انبیاء کی میراث قرار دے کر اسے بلند ترین مقام عطا کیا ہے، اور ساتھ ہی اس کے مقاصد بھی واضح کر دیے ہیں: اللہ کی معرفت و رضا، عمل و کردار کی اصلاح، خلق خدا کی راہنمائی اور معاشرے کی بہتری۔ جو علم ان مقاصد سے خالی ہو وہ محض معلومات کا بوجھ ہے، اور جو علم ان مقاصد کے ساتھ حاصل کیا جائے وہ دنیا میں بھی سرخروئی اور آخرت میں بھی نجات کا ذریعہ بنتا ہے۔ لہٰذا طالب علم کو چاہیے کہ وہ علم حاصل کرنے سے پہلے اپنی نیت درست کرے اور پھر سیکھے ہوئے علم پر عمل اور اس کی اشاعت کو اپنی زندگی کا معمول بنائے۔

سوال نمبر 5: طہارت کے فضائل اور وضو کی اہمیت احادیث کی روشنی میں واضح کریں (20 نمبر)

سوال: طہارت کے فضائل اور وضو کی اہمیت احادیث کی روشنی میں واضح کریں۔

تعارف

طہارت یعنی پاکیزگی اسلام کے نظام عبادت کی بنیاد ہے۔ اسلام نے صفائی و پاکیزگی کو ایمان کا نصف قرار دیا ہے اور کوئی بھی نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ طہارت کی دو قسمیں ہیں: ظاہری طہارت، یعنی بدن، لباس اور جگہ کا خبث سے پاک ہونا، اور باطنی و شرعی طہارت، یعنی وضو اور غسل کے ذریعے حدث سے پاک ہونا۔ نبی کریم ﷺ نے طہارت اور خصوصاً وضو کے اتنے فضائل بیان فرمائے ہیں کہ ہر مسلمان کے لیے وضو محض نماز کی شرط نہیں رہتا بلکہ گناہوں کی معافی، درجات کی بلندی اور قیامت کے دن پہچان کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اس سوال میں پہلے طہارت کے عمومی فضائل اور پھر وضو کی اہمیت و فضیلت کو احادیث کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔ افسوس کہ عام طور پر وضو کو ایک رسمی کارروائی سمجھ کر جلدی جلدی ادا کر لیا جاتا ہے اور اس کی روحانی برکات سے محرومی رہتی ہے۔ احادیث کا مطالعہ اس غفلت کو دور کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ سنت طریقے سے، اطمینان کے ساتھ کیا گیا وضو انسان کے لیے دنیا و آخرت کی کتنی بڑی خیر کا سبب ہے۔

طہارت کے فضائل احادیث میں

طہارت کی فضیلت کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "طہارت نصف ایمان ہے، اور الحمدللہ میزان کو بھر دیتا ہے، اور سبحان اللہ و الحمدللہ آسمانوں اور زمین کے درمیان خلا کو بھر دیتے ہیں، اور نماز نور ہے، اور صدقہ دلیل ہے، اور صبر روشنی ہے، اور قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف حجت ہے۔" طہارت کو نصف ایمان کہنا اس کی غیر معمولی اہمیت کا اعلان ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایمان گناہوں سے روحانی پاکیزگی کا نام ہے اور طہارت ظاہری پاکیزگی ہے؛ یوں دونوں مل کر ایمان کی تکمیل کرتی ہیں۔ بعض نے کہا کہ نماز ایمان کا سب سے بڑا مظہر ہے اور نماز طہارت کے بغیر ہوتی ہی نہیں، اس لحاظ سے طہارت گویا ایمان کے نصف درجے تک پہنچ گئی۔

ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو صفائی کی عمومی تعلیم دیتے ہوئے فطرت کی سنتوں میں مسواک، ناخن کاٹنا اور دیگر صفائی کے امور گنوائے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں طہارت صرف نماز کے لمحے تک محدود نہیں بلکہ پوری زندگی کا مزاج ہے۔ مسجدوں اور گھروں کی صفائی، راستوں سے گندگی ہٹانا اور اپنے بدن و لباس کو صاف ستھرا رکھنا سب اسی تعلیم کا حصہ ہے۔ اسی وجہ سے فقہ کی ہر کتاب کا آغاز کتاب الطہارۃ سے ہوتا ہے، کیونکہ عبادات کی پوری عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہے۔

وضو کی اہمیت: نماز کی کنجی اور قبولیت کی شرط

وضو کی سب سے پہلی اہمیت یہ ہے کہ یہ نماز کے لیے شرعی شرط ہے؛ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں کی جاتی جب وہ بے وضو ہو جائے یہاں تک کہ وہ وضو کرے۔" اسی طرح جامع ترمذی کی روایت میں فرمایا: "نماز کی کنجی طہارت ہے۔" کنجی کی مثال بڑی معنی خیز ہے: جس طرح قفل کنجی کے بغیر نہیں کھلتا، اسی طرح نماز و مناجات کا دروازہ وضو کے بغیر نہیں کھلتا۔ وضو قرآن کی تلاوت، سجدہ تلاوت اور دیگر کئی عبادات کے لیے بھی مطلوب ہے، اس لیے مومن کی زندگی میں اسے روزانہ بار بار دہرایا جانے والا سب سے زیادہ متواتر عمل کہا جا سکتا ہے۔

وضو کی اہمیت کا دوسرا پہلو اس کی روحانی کیفیت ہے۔ وضو کرتے ہوئے بندہ صرف اعضا نہیں دھوتا بلکہ وہ اللہ کے حضور حاضری کی تیاری کرتا ہے؛ چہرے کا دھونا نظر کی لغزشوں سے توبہ کا اشارہ ہے، ہاتھ دھونا کمائی اور عمل کی پاکیزگی کی علامت ہے، اور پاؤں دھونا اللہ کی راہ میں چلنے کے عزم کا اظہار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں وضو کی دعا اور بسم اللہ سے آغاز کی فضیلت بھی آئی ہے۔ جو شخص یہ شعور لے کر وضو کرتا ہے اس کی نماز میں خشوع و خضوع کی کیفیت خود بخود بہتر ہو جاتی ہے۔

وضو کے فضائل: گناہوں کی معافی اور قیامت کی پہچان

وضو کے فضائل میں سب سے نمایاں فضیلت گناہوں کا جھڑنا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب مسلمان یا مومن بندہ وضو کرتا ہے اور اپنا چہرہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے چہرے سے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو اس کی آنکھوں نے دیکھے تھے، اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو وہ گناہ نکل جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں نے کیے تھے، اور جب پاؤں دھوتا ہے تو وہ گناہ نکل جاتے ہیں جن کی طرف اس کے پاؤں چلے تھے، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر نکلتا

ہے۔" گویا ہر وضو چھوٹے گناہوں کی معافی کا روزانہ نظام ہے۔ اسی طرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ دل میں کوئی اور خیال نہ لائے، اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

وضو کی ایک عظیم فضیلت یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن امت محمدیہ کی پہچان وضو کے اثرات ہی سے ہو گی۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت قیامت کے دن اس حال میں بلائی جائے گی کہ وضو کے اثرات کی وجہ سے ان کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں روشن و چمکدار ہوں گے، پس جو شخص اپنی روشنی بڑھانا چاہے وہ بڑھا لے۔" ایسے روشن اعضا کو "غُرًّا مُحَجَّلِین" کہا گیا ہے۔ ایک اور فضیلت صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے درجات کی بلندی اور گناہوں کی معافی والے اعمال بتاتے ہوئے فرمایا: ناخوشگوار حالات میں بھی مکمل وضو کرنا، مسجد کی طرف زیادہ قدم اٹھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے پھر پوری توجہ سے دو رکعت پڑھے، اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ گھر میں وضو کر کے مسجد جانے والے کے بارے میں بھی بشارت ہے کہ اللہ اس کے لیے جنت میں مہمانی تیار کرتا ہے۔

وضو کے مستحبات میں وضو کو ہمیشہ کامل اور سنت کے مطابق کرنا، ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا، وضو کے بعد کی دعا پڑھنا اور دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنا شامل ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جنت میں قدموں کی آواز سننے کی خوشخبری اسی عمل کی برکت سے ملی کہ وہ ہمیشہ باوضو رہتے اور وضو کے بعد دو رکعت ادا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ہے۔ اسی طرح سوتے وقت باوضو سونے کی فضیلت بھی آئی ہے کہ فرشتہ اس کے لیے ساری رات مغفرت کی دعا کرتا رہتا ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

نتیجہ یہ ہے کہ طہارت ایمان کا نصف ہے اور وضو نماز کی کنجی ہونے کے ساتھ ساتھ گناہوں کی معافی، درجات کی بلندی، جنت کی بشارت اور قیامت کے دن امت کی پہچان کا ذریعہ ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ وضو کو رسمی کارروائی سمجھنے کے بجائے احادیث میں بیان کردہ شوق و عقیدت کے ساتھ، مکمل سنت طریقے سے اور اطمینان کے ساتھ کرے؛

اعضا اچھی طرح دھوئے، پانی اسراف سے بچائے اور وضو کے بعد کی دعا اور دو رکعت کا اہتمام کرے۔ جو شخص طہارت کا یہ اہتمام زندگی بھر اپنائے، اللہ اسے ظاہری پاکیزگی کے ساتھ باطنی پاکیزگی بھی عطا فرماتا ہے اور یہی مطلوب ایمان ہے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com